سر سید صاحب کی دنیاوی خدمات کا اعتراف اور ان کی

# مذہبی غلطیوں کی اصلاح

ماخوذ از کتاب

## آئینہ کمالاتِ اسلام

مصنفہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام از حاشیہ صفحہ ۲۲۶ تا صفحہ ۲۷۳

✱

شائع کردہ

## جناب شیخ عبد الرحمان مصری صاحب

افسر

شعبہ دعوت و ارشاد

✱

## احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ۔ لاہور


بار اول مئی ۱۹۷۸ء قادر پریس لاہور ۔ تعداد : ایک ہزار



www.aaiil.org

# سید احمد خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی پر ایک

# ضروری اتمامِ حجت

سر سید احمد خان صاحب کے مذہبی عقاید پر بے شک سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) نے جرح کی ہے اور انہیں اسلام کے خلاف ثابت کیا ہے لیکن اس حقیقت کو حضورؑ نے تسلیم کیا ہے کہ سید صاحب کے دل میں اسلام رچا ہوا تھا اور جہاں تک مسلمانوں کی دنیاوی حالت کو خوشگوار اور بہتر بنانے کا تعلق تھا وہ ہمہ تن اس میں ساری عمر مصروف رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کو شکست کا جو سامنا کرنا پڑا اسکے نتیجہ میں مسلمانوں پر چاروں طرف سے مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ادھر حکومت برطانیہ نے ان پر مظالم توڑنے شروع کر دیئے۔ اور ادھر ہندوؤں نے انگریزوں سے ملی بھگت کر کے انہیں پستی کے گڑھوں میں دھکیلنا شروع کر دیا اور ستم بر ستم یہ کہ خود مسلمان علماء نے انگریزی تعلیم کے حصول کے خلاف کفر کے فتاوی جاری کر دیئے جن کے نتیجہ میں مسلمان تعلیم کے میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے جس کی وجہ سے ان کے لئے ملازمتوں کا حاصل کرنا دشوار ہو گیا۔ سیدنا حضرت مرزا صاحب (المسیح الموعودؑ) اور سید صاحب نے جب مسلمانوں کی اس مذبوں حالی کا مشاہدہ کیا تو ان کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت ان دونوں بزرگوں نے حکومت برطانیہ کو مسلمانوں کی حالت کو سدھارنے کی طرف توجہ دلانی شروع کی۔ سر سید صاحب نے اس راہ میں بڑی قابلِ قدر خدمات سر انجام دیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ علماء کے فتووں کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمانوں کو تعلیم حاصل

---

اسلام کے ایک جدید فرقہ کے سرگروہ سید احمد خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی کی بعض تحریرات خصوصاً ان کی تفسیر کے دیکھنے سے کچھ ایسے خیالات ان کے معلوم ہوتے

ہیں کہ گویا ان کو اس بات سے اِنکار ہے کہ سچ مچ کسی کو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیّہ نصیب ہو سکے۔ اور میں اب تک یہی سمجھتا ہوں کہ وہ اُس وحی سے مُنکر ہیں جو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام انبیاء کو ملتی ہے۔ اور الٰہی طاقتوں، غیب گوئی اور دیگر خوارق کو اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور خالصتہً آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ نہ کہ کوئی فطرتی قوت، اگرچہ وہ بظاہر جبرائیل کو بھی مانتے ہیں مگر ان کا جبرائیل وہ نہیں ہے جس کو بالاتفاق بیس کروڑ مسلمان دنیا میں مان رہے ہیں۔ وہ کلام الٰہی کے بھی قائل ہیں۔ مگر اس کلام کے نہیں جو خدا کا نور اور خدائی طاقتیں اپنے وجود میں رکھتا ہے۔ بلکہ صرف ایک ملکہ فطرت جو انسانی ظرف کے اندازہ پر فیض الٰہی قبول کرتا ہے۔ نہ وہ وحی جو خدائی کے چشمہ سے نکلی ہے۔ اور تعجب یہ کہ سیّد صاحب قرآن کریم کو بھی منجانب اللہ مانتے ہیں اور آن کے کاموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے ہمدرد بھی ہیں۔ اور اہلِ اسلام کی ذرّیت کی دنیوی حالت کے خیر خواہ بھی مگر باوصف اس کے تعجب پر تعجب یہ کہ وہ کیوں بیّنات قرآن کریم کے برخلاف نہایت مجہول اور منکر رائیں ظاہر کر رہے ہیں۔ اسکا باعث ایک ناگہانی ابتلا معلوم ہوتا ہے۔ جس میں وہ پھنس گئے۔ اور وہ یہ کہ قبل اس کے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات میں تدبر کرتے اور اس کے تسلی بخش دلائل سے اطلاع پاتے کسی منحوس وقت میں ان کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جو اس زمانہ کے یورپ کے فلاسفروں نے جو دہریہ کے قریب قریب ہیں۔ تالیف کی ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ملحد طبع نو تعلیم یافتہ لوگوں کی باتیں بھی سنتے رہے جن کی طبیعتوں میں یورپ کا طبعی اور فلسفہ پھنس گیا تھا۔ سو جیساکہ یکطرفہ خیالات کے سننے کا نتیجہ ہوا کرتا ہے وہی نتیجہ سید صاحب کو بھی بھگتنا پڑا۔ قرآن کریم کے حقائق و معارف سے تو بیخبر ہی تھے۔ اس لئے فلاسفروں کی تقریروں کے ساحرانہ اثر نے سید صاحب کے دل پر وہ کام کیا کہ اگر خدا تعالےٰ کا فضل

اور طبیعت کی پاکیزگی جو اسی کے فضل سے تھی اُن کو نہ تھا منتے تو معلوم نہیں کہ اُن کی یہ سرگردانی اب تک کہاں تک ان کو پہنچاتی۔ سید صاحب کی یہ نیک نیتی درحقیقت قابلِ تعریف ہے۔ کہ انہوں نے بہرحال قرآن شریف کا دامن نہیں چھوڑا۔ گو سہواً اُن کے منشاء اور اس کی تعلیم اور اس کی ہدایتوں سے ایسے دُور جا پڑے کہ جو تاویلیں قرآن کریم کی نہ خداتعالےٰ کے علم میں تھیں نہ اس کے رسُول کے علم میں۔ نہ صحابہ کے علم میں۔ نہ اولیاء اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں اور نہ اُن پر دلالت النص نہ اشارۃ النص وہ سید صاحب کو سوجھیں زیادہ تر افسوس کا یہ مقام ہے کہ سید صاحب نے قرآن شریف کی ان تعلیموں پر جو اصل اصولِ اسلام اور وحی الٰہی کا لُب لباب تھیں یا یوں کہو کہ جن کا نام اسلام تھا خیر خواہی کی نیت سے پانی پھیر دیا۔ اور اپنی تفسیر میں آیات بیّنات قرآن کریم کی ایسی بعید از صدق و انصاف تاویلیں کی کہ جن کو ہم کسی طرح سے تاویل نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ ایک پیرایہ میں قرآن کریم کی پاک تعلیمات کا رد ہے۔ سید صاحب کے ہر ایک فقرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نئے فلسفہ سے جو یورپ نے پیش کیا ہے۔ ان کا دل کانپتا اور لرزتا ہے۔ اور اُن کی رُوح اس کو سجدہ کر رہی ہے۔

ہم نے جس کسی ایسے مقام سے ان کی تفسیر کو دیکھا جہاں انہیں قرآن کریم سچ مچ فلسفہ موجودہ کے مخالف یا بظاہر نظر مخالف معلوم ہوتا تھا۔ وہاں یہی پایا کہ سید صاحب اقراری مدعا علیہ کی طرح فلسفہ کے قدموں پر گر پڑے۔ اور فلسفی تعلیمات کو بسر و چشم قبول کر کے تاویلات رکیکہ کے ساتھ قرآنِ کریم کی طرف سے ایسی ذلت کے ساتھ صلح کا پیغام پہنچایا کہ جیسے عاجز اور مغلوب دشمن درماندہ ہوکر اور ہر طرف سے رک کر چند کچے اور بیہودہ عذرات سے مصالحہ کا طالب ہوتا ہے۔ ہم کو یہ شوق ہی رہا کہ سید صاحب کی کوئی ایسی تالیف بھی دیکھیں جس میں سید صاحب نے کوئی تیز تلوار فلسفہ موجودہ پر چلائی ہو۔ اور مخالفت کے موقعہ پر بغیر کسی تاویل کے قرآنِ کریم کا بول بالا ثابت کیا ہو مگر

افسوس کہ یہ ہمارا شوق پورا نہ ہوا۔ اگر سید صاحب اُن احادیث کی تاویلات کرتے جو قرآن کریم کے بیّنات سے بظاہر ان کو معارض معلوم ہوتیں۔ اور نیز فلسفہ موجودہ کے رُو سے قابلِ اعتراض ٹھہرتیں تو ہمیں چنداں افسوس نہ ہوتا۔ کیونکہ ہم خیال کرتے کہ بڑا منشا اور مدار ایمان جس کا حرف حرف قطعی اور متواتر اور یقینی الصحت ہے۔ یعنے قرآن کریم سید صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر ان کی اس لغزش کو کہاں چھپائیں۔ اور کیونکر پوشیدہ کریں۔ کہ انہوں نے تو قرآنِ کریم پر ہی خط نسخ کھینچنا چاہا۔ میں کبھی تسلیم نہیں کروں گا کہ کسی موقع پر اُن کے قلب نے شہادت دی ہو کہ جو کچھ تاویلات کا دُور دراز تک دامن انہوں نے پھیلایا ہے وہ صحیح ہے بلکہ جابجا خود اُن کا دل ان کو ملزم کرتا ہوگا۔ کہ اے شخص تیری تمام تاویلات ایسی ہیں کہ اگر قرآن کریم ایک مجسّم شخص ہوتا تو بصدِ زبان اُن سے بیزاری ظاہر کرتا۔ اور اس نے بیزاری ظاہر کی ہے۔ کیونکہ وہ اُن لوگوں کو سخت موردِ غضب ٹھہراتا ہے جو اس کی آیات میں الحاد کرتے ہیں۔

یہودیوں کی کارستانیوں کا نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کہ انہوں نے کلامِ الٰہی میں تحریف اور الحاد اختیار کر کے کیا نام رکھایا قرآنِ کریم کی کسی آیت کے ایسے معنے کرنے چاہیے کہ جو صدہا دوسری آیات سے جو اس کی تصدیق کے لئے کھڑے ہوں، مطابق ہوں۔ اور دلِ مطمئن ہو جائے۔ اور بول اٹھے کہ ہاں یہی منشاء اللہ جلشانہ کا اسکے پاک کلام میں سے یقینی طور سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سخت گناہ اور معصیت کا کام ہے کہ ہم قرآنِ کریم کی ایسی دُور از حقیقت تاویلیں کریں گویا ہم اس کے عیب کی پردہ پوشی کر رہے ہیں۔ یا اس کو وہ باتیں جتلا رہے ہیں جو اس کو معلوم نہیں تھیں سید صاحب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ حال کی تحقیقاتوں کو ایسا مسلّم الثبوت اور یقینی مان لیا کہ گویا ان میں غلطی ہونا ممکن ہی نہیں حالانکہ اس نئی فلسفہ اور سائنس میں ایسی غلطیاں نکلنا ممکن ہے کہ جیسے پہلے فلسفہ اور طبعی کی اب غلطیاں نکل رہی ہیں۔ سید صاحب اس مثل مشہور کو بھول گئے۔ کہ پائے استدلالیان

چو پین بود۔ اور نئے فلسفہ کو وہ عزت دی جو خدا تعالےٰ کی پاک اور لاریب کلام کا حق تھا چند ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ سید صاحب نے اپنے ایک دوست کے نام جو سیالکوٹ میں رہتے ہیں۔ اِس عاجز کی تالیفات کی نسبت لکھا تھا کہ وہ ایک ذرہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یعنے بکلی صداقت سے خالی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مجھے یاد پڑتا ہے۔ کہ ایک دفعہ سید صاحب نے ایک اخبار میں چھپوا بھی دیا تھا۔ کہ کسی سے الہامی پیشگوئیوں کا ظہور میں آنا یا مکاشفات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہونا ایک غیر ممکن امر ہے۔ اور اگر کوئی ایسا دعوےٰ کرے تو وہ مجانین میں سے ہے۔ اور ایسے خیالات جنون کے مقدمات میں سے ہیں۔ اور اگر یہ خیالات دل میں راسخ ہو جائیں تو پھر وہ پورا پورا جنون ہے۔ اگرچہ اسوقت مجھ کو ٹھیک ٹھیک یاد نہیں کہ سید صاحب کے اپنے الفاظ کیا تھے؛ مگر قریباً ان کا خلاصہ یہی تھا۔ القصہ مجھے ایسے کلمات کے سننے اور پڑھنے سے بہت ہی رنج ہوا کہ سید صاحب جیسا ایک آدمی جسے حُبّ اسلام کا دعوےٰ اور قرآن کریم کی تفسیر کرنے کا ولولہ اور نیز متانت اور استقلال اور نیک منشی کا دم بھی مارتا ہو۔ وہ ایسی جلدی ایسی باتیں منہ پر لاوے کہ جو فرقانِ حمید کی تعلیمات سے بالکل مخالف ہیں۔ مجھے نہایت خوشی ہوتی اگر سید صاحب صرف اسی قدر پر کفایت کرتے۔ کہ مخالفانہ اور غیر معتقدانہ باتیں کہہ کر اور مکالمہ الٰہیہ کے مدعی کو مجنوں اور پاگل قرار دے کر چپ ہو جائیں۔ بلکہ جیسا کہ داب اور طریقِ حق پسندوں اور منصف مزاجوں کا ہے میرے دعوےٰ کی مجھ سے دلیل طلب کرتے۔ تا اگر میں غلطی پر تھا تو اس غلطی کا صاف طور پر فیصلہ ہو جاتا۔ اور اگر حضرت آپ ہی غلطی پر تھے تو ان کو اپنے اقوال سے رجوع کرنے کا مبارک موقع ملتا۔ بہرحال اس تقریب سے پبلک کو ایک فائدہ پہنچتا اور آجکل جو انہیں مسائل پر قلموں کی کشت خونی ہو رہی ہے۔ یہ روز کے جھگڑے طے ہو جاتے۔ مگر مجھے بار بار افسوس آتا ہے۔ کہ اس طریقِ مستقیم کی طرف سید صاحب نے رُخ بھی نہ کیا۔

میں نے بہت سوچا کہ اس کا کیا سبب ہے مجھے اس کا یہ باعث قرار دینا تو صحیح معلوم نہ ہوا کہ سید صاحب ہر ایک شخص سے بحث کی طرح ڈالنا پسند نہیں کرتے کیونکہ میرے دعاوی ایک معمولی دعاوی نہیں۔ بلکہ یہ وہ امور ہیں کہ اگر کروڑ ہا لوگوں میں ان کا چرچا نہیں تو لاکھوں میں تو ضرور ہوگا۔ ماسوا اس کے سید صاحب کا الہامی پیشگوئیوں اور خوارق سے ایک عام انکار ہے جس سے انبیاء بھی جیسا کہ مجھے آپ کی تالیفات کا منشا معلوم ہوتا ہے۔ باہر نہیں ہیں۔ پس کیا اچھا ہوتا کہ اس موقع پر جو الہامی پیشگوئیوں پر نہ صرف ایماناً میرا اعتقاد ہے بلکہ ان کا مجھ کو دعویٰ بھی ہے سید صاحب مجھ سے اپنے شکوک دور کرا لیتے اور اگر میں اپنے دعوے میں سچا نہ نکلتا تو جس سزا کو سید صاحب میرے لئے تجویز کرتے میں اس کے بھگتنے کے لئے حاضر تھا۔ اور اگر میرا صدق کھل جاتا تو سید صاحب اس وقت میں کہ ستارہ زندگی قریب الغروب ہے۔ نہ صرف میری سچائی کے قائل ہوتے بلکہ ان پاک اعتقادوں کو جو وحی نبوت کی نسبت ضائع کر بیٹھے ہیں۔ پھر حاصل کر لیتے۔ عزیز من ایک منادی کی آواز کو جو سچائی کی طرف بلا رہا ہے۔ نہ سننا اور تحقیر کی نظر سے اس کو دیکھنا اور بے تحقیق اس کی نسبت مخالفانہ بولنا اور ثابت شدہ صداقت کے برخلاف جمے رہنا ہلاک ہونے کی راہ ہے۔ مجھے آپ کے کلمات سے بو آتی ہے۔ کہ صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ اس امت کو مرتبہ مکالمات الٰہیہ سے تہیدست خیال کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کسی نبی کے لئے بھی یہ مرتبہ تجویز نہیں کرتے۔ کہ خدا تعالےٰ کا زندہ اور خدا کی قدرتوں سے بھرا ہوا کلام اس پر کبھی نازل ہوا ہو۔ پس اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے جو میں نے سمجھا اور میرے خیال میں گذرا ہے تو نعوذ باللہ آپ کا ایمان نہایت خطرناک ورطہ میں پڑا ہوا ہے۔ اور میں بہت خوش ہوں گا۔ اگر آپ کسی اخبار کے ذریعہ سے مجھ کو اطلاع دے دیں۔ کہ ہمارا انبیاء کی نسبت یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ان پر خدا تعالےٰ کا زندہ کلام نازل نہیں ہوتا۔ اور وہ کلام اخبار غیبیہ پر مشتمل نہیں ہوتا اور اگر

خدانخواستہ آپ کا الہٰی کتابوں کی نسبت جیسا کہ اب تک میں نے سمجھا ہے۔ یہی خیال ہے کہ وہ
واقعی اور حقیقی طور پر خدا تعالےٰ کا کلام نہیں اور وحی سے مراد صرف ایک ملکہ ہے۔ جو انبیاء کی فطرت
کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنے ان کی فطرت کچھ ایسی ہی واقع ہوتی ہے۔ کہ صداقت اور حکمت کی باتیں
اُن کے مُنہ سے نکلتی ہیں۔ تو پھر میں آپ پر کھلے کھلے معارضہ کے ساتھ اتمام حجت کرنا چاہتا
ہوں۔ تا لوگ آپ کی پیروی سے ہلاک نہ ہوں۔ اگر آپ اپنے قول سے رجوع کا اقرار کرکے مجھ
سے اِس بات کا ثبوت چاہیں کہ کیونکہ وحی فی الواقعہ خدا تعالےٰ کا کلام ہوتا ہے۔ اور اخبار
غیبیہ اور آئندہ اور گذشتہ کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو میں بڑی خوشی سے الہامی پیشگوئیوں
کے نمونہ سے ثبوت دینے کو تیار ہوں۔ اور اس بات کے سننے سے کہ آپ بیان پیش کرنے کے
اِمتحان کے لئے مستعد ہو گئے ہیں مجھے اِس قدر خوشی ہوگی کہ شاید ایسی خوشی کسی اور چیز سے نہ
ہو سکے۔ اِس لئے کہ آپ کا اپنی مہلک غلطیوں سے باز آجانا میرے نزدیک ایک قوم کی اصلاح
سے کم نہیں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ قرآن کریم تو آئندہ اور گذشتہ پیشگوئیوں سے بھرا ہوا ہے۔
مثلاً اس کا ہر ایک قصہ ہی اخبار غیب ہے۔ یہ نہیں کہ کسی سے سنکر لکھا ہے۔ تو مجھے
تعجب آتا ہے۔ کہ کیونکر آپ اِس بات کے مدعی ہو سکتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں امورِ غیبیہ
اور آئندہ اور گذشتہ کی خبریں نہیں۔ کیا یہ خیال کریں کہ نعوذ باللہ آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ
قرآن کریم میں جو مثلاً یوسف کا قصہ اور اصحاب کہف کا قصہ اور آدم کا قصہ اور موسیٰ کا قصہ
وغیرہ وغیرہ قصص موجود ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ کی وحی یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل
نہیں ہوئے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے سُن کر قرآن
کریم میں درج کر لیئے تھے۔ اگر یہی بات ہے تو بہت سا حصہ قرآن کریم کا اس پاک کلام سے
خارج کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جو باتیں یہودیوں اور عیسائیوں سے سنکر لکھی گئیں وہ باتیں درحقیقت

یہودیوں اور عیسائیوں کا کلام ہوگا نہ کہ خداتعالےٰ کا کلام۔ اور پھر سخت مشکل یہ پیش آئیگی کہ قرآن کریم توریت کے قصّوں سے بہت جگہ مخالف ہے۔ اِس صورت میں نعوذ باللہ یہ ماننا پڑے گا کہ جو کچھ شریر یہودیوں نے دھوکہ کی راہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کوئی قصّہ بیان کیا تو آں جناب نے سادگی اور بے خبری کی وجہ سے ایسے قصہ کو قرآن کریم میں درج کر دیا۔ اب سوچنا چاہیئے کہ جس کا یہ اعتقاد ہو کہ قرآن کریم میں یہودیوں اور عیسائیوں سے سُنی سنائی باتیں لکھی گئی ہیں وہ کس مُنہ سے کہہ سکتا ہے۔ کہ میں قرآن کریم کو خداتعالےٰ کا کلام جانتا ہوں مگر میرے خیال میں ہے کہ آپ کے دل میں ایسا عقیدہ نہیں ہوگا گو مغربی فلسفہ کا سائنس کیسا ہی چمکدار آپ کو دکھلائی دیا ہو۔ مگر نعوذ باللہ یہ کب ہوسکتا ہے کہ آپ کی حالت اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ گہرا اور مضبوط عقیدہ اسلام کا جو نہ صرف اسلامی حیثیت سے بلکہ سیادت کی طینت سے بھی آپ کے وجود میں ہے۔ یعنے یہ کہ قرآن کریم کا لفظ لفظ وحی متلو ہی آپ کے دل سے یک لخت اکھڑ گیا ہو۔ اور بجائے اس کے یہ خیال باطل دل میں جم گیا ہو۔ کہ قرآنِ کریم کے قصص اور اخبارِ ماضیہ خالص امورِ غیبیہ نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں سے لیئے گئے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر آپ اِس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ تمام قصے جو اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید میں حضرت آدم سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک بیان فرمائے ہیں خالص غیب کی خبریں ہیں۔ جو انسان کی طاقت اور انسان کی فطرت سے بالاتر ہیں۔ تو پھر آپ کا یہ اصُول ٹوٹتا ہے کہ وحی اور کچھ چیز نہیں صرف ملکہ فطرت ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت خُدائی کی طاقتیں اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتی۔ ہر یک انسان کی فطرت اُسیقدر ملکہ رکھتی ہے جو اس کی بشریت کے مناسب حال ہے۔ اور چونکہ آپ کا یہی مذہب ہے۔ کہ وحی کی حقیقت ملکہ فطرت سے زیادہ نہیں تو وہی اعتراض جس کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے

وارد ہو گا۔

ہر ایک اہلِ حال جو وحی کی حقیقت کو بطور واردات کے جانتا ہے۔ وہ آپ کی اس قیاسی بات پر ہنسے گا۔ جو وحی صرف ملکہ فطرت ہے اگرچہ اسقدر تو سچ ہے کہ وحی الٰہی کے انوار قبول کرنے کیلئے فطرت قابلہ شرط ہے جس میں وہ انوار منعکس ہو سکیں جو خدا تعالےٰ کسی وقت اپنے خاص ارادہ سے نازل کرے۔ مگر یہ سراسر جھوٹ ہے کہ وہ انوار انسانی فطرت میں ہی جمع ہیں۔ اور مبدءِ فیض اپنے ارادہ کے ساتھ کچھ نازل نہیں ہوتا۔ جو اپنے اندر خدائی طاقتوں کی رنگ و بو رکھتا ہو۔ عزیز سید جن خیالات کے آپ اس مسئلہ میں پیروی کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ ان کور باطن فلسفیوں کی رائیں ہیں جو حضرت باری تعالےٰ عزاسمہٗ کو مدبر بالارادہ نہیں سمجھتے بلکہ آفتاب اور ماہتاب کی طرح بعض امور کے صدور کے لئے علّت موجبہ خیال کرتے ہیں۔ جب آپ خدا تعالےٰ کو مدبر بالارادہ اور اپنی مرضی کے ساتھ منزلِ وحی یقین کریں گے۔ اور وحی کو ایسی چیز سمجھیں گے جو اسی سے نکلتی ہے۔ اور اسی کے اتارنے سے الٰہی قوت کے ساتھ دلوں پر اترتی ہے تو اس صورت میں آپ اس کو ملکہ فطرت نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کا نام فطرتی قوت رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ایک نوراللہ قرار دیں گے۔ جو خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے اور اس کے ارادہ سے اسی وقت اترتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔ ہاں وہ نور جو اترتا ہے وہ فطرت قابلہ پر ہی اپنی روشنی ڈالتا ہے۔ اور اپنا آنا اس کو جتلا دیتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ ہم اس طرح پر وحی کو مان نہیں سکتے کیونکہ وہ عقلِ انسانی کے مافوق ہے۔ سو اس کا یہی جواب ہے کہ عقلِ انسانی اگر ایک ثابت شدہ صداقت کو اپنے فہم اور ادراک سے بالاتر سمجھے تو وہ صداقت صرف اس وجہ سے رد کرنے کے لائق نہیں ٹھہرے گی کہ عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتی۔ دنیا میں بہتیرے ایسے خواص نباتات وجمادات وحیوانات میں پائے

جانتے ہیں۔ کہ وہ تجارب صحیحہ کے ذریعے سے ثابت ہیں۔ مگر عقل انسان کے مافوق ہیں۔ یعنے عقل ان کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتی۔ اور ان کی حقیقت تبلا نہیں سکتے۔ پس ایسا ہی وہ وحی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوتی اور پاک دلوں تک وہ علوم پہنچاتی ہے۔ جو بشری طاقتوں سے بلند تر ہیں۔ پھر جبکہ یہ حال ہے۔ کہ عقل بجائے خود کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ثابت شدہ صداقتوں کے ذریعہ سے قدر و منزلت پیدا کرتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وحی سماوی ایک ثابت شدہ صداقت ہے۔ جو اپنے اندر اعجازی قوت رکھتی ہے۔ اور علوم غیبیہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور ہم اس دعوے کے ثابت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ پھر آزمائش کے لئے متوجہ نہ ہونا کیا ان لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ جو حقیقی صداقتوں کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔

اگر آپ ایک صادق دل لے کر میری طرف متوجہ ہوں تو میں خدا تعالےٰ سے توفیق پا کر عہد کرتا ہوں کہ آپ کو مطمئن کرنے کے لئے اس قادر مطلق سے مدد چاہوں گا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ میری فریاد سُنے گا۔ اور آپ کو ان غلطیوں سے نجات دے گا جن کی وجہ سے نہ صرف آپ بلکہ ایک گروہ کثیر گرداب شبہات میں مبتلا نظر آتا ہے۔ آپ یقین کیجئے۔ کہ میں محض للہ اس کام کے لئے مستعد کھڑا ہوں۔ کہ آپ کی رائے کا غلط ہونا آپ پر ثابت کر دکھاؤں نواب آپ میرے اس تعجب اور تاسف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو آپ کے اُن کلمات سے مجھ کو ہو رہا ہے۔ جن میں آپ نے بلا غور و فکر یہ دعوےٰ کر دیا ہے کہ نہ ملائک کچھ چیز ہیں اور نہ وحی ملائک کچھ چیز۔ بلکہ یہ سب انسانی فطرت کی قوتوں کے نام ہیں۔ عزیز من! انسانی فطرت کا ظرف خدائی طاقتوں کا مظہر نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ انسان کو اسکی فطرت کے توسط سے عطا کیا جاتا ہے۔ وہ مخلوقیت کی حدود سے مافوق نہیں ہوتا۔ مثلاً انسان کی جسقدر ایجادات ہیں۔ اور جسقدر انسان نے اب تک صنعتیں نکالی ہیں۔ گو وہ کیسے ہی غریب اور نادر ہوں

گو نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدائی کاموں کے ہم پلہ ہیں۔ لیکن وہ وحی جس کا ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ جس کی بابرکت آوازیں ہم نے اپنے کانوں سے سنی ہیں وہ بلاشبہ انسان کی فطرت سے مافوق اور الوہیت کی زبردست طاقتیں اپنے اندر رکھتی ہے جس کے دیکھنے سے گویا ہم خدا تعالیٰ کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اور وہ خدا تعالےٰ کا ویسا ہی قول خالص ہے۔ جیسا کہ زمین اور آفتاب اور ماہتاب خدا تعالےٰ کا فعل خالص اور بلاشبہ وہ انسانی فطرت کی حدود سے ایسا ہی بلند تر ہے جیسا کہ خدا انسان سے اگر آپ تھوڑی سی زحمت اٹھا کر اور بزرگواری کے حجابوں سے الگ ہو کر چند ہفتہ اس عاجز کی صحبت میں رہیں۔ تو میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کے بہت سے امور مافوق العقل بڑی آسانی سے آپ کو معقول اور ممکن دکھائی دیں۔ گو آپ اپنے خیال میں فلسفہ اور سائنس کا نچوڑ اپنے دماغ میں جمع رکھتے ہیں۔ اور نیچر کے تمام درجے طے کر کے نئی روشنی سے منور ہو چکے ہیں۔

لیکن عزیز من ! (ناراض نہ ہوں)

آسمانی روشنی شئے دیگر ہے اور مغربی علوم کی روشنی دیگر۔ اگر آپ کو اس روشنی کی تاریکیوں اور مضرتوں کی کچھ خبر ہوتی تو آپ اسلام کی امیت کو اس نابکار روشنی پر بہ ہزار مرتبہ ترجیح دیتے۔ اور دین العجائز اختیار کر کے اور اس زمانہ کے دجّالی فتنوں سے ڈر کر اور ایمانی امور پر صبر کی خواہش کر کے ہمیشہ تضرع سے یہ دعا کیا کرتے کہ ربنا افرغ علینا صبرًا وتوفنا مسلمین۔ آپ کو معلوم رہے کہ فلسفہ موجودہ ثابت شدہ صداقتوں کے مقابل پر بالکل مردہ اور بے طاقت ہے۔ کوئی علم نیا ہو یا پرانا واقعات صحیحہ پر غالب نہیں آسکتا۔ اگر میں دو اور دو کو چار کہوں تو مجھے کیا اندیشہ ہے کہ کوئی بڑا فلاسفر میری مخالفت پر کھڑا ہے۔ یا اگر میں دن کو دن ہی سمجھوں تو مجھے کیوں اس

بات سے ڈرنا چاہیئے کہ ایک گروہ فلاسفروں کا میرے سامنے اسوقت دن کو رات کہہ رہا ہے کوئی غذا بدن کو ایسی قوت نہیں پہنچا سکتی کہ جیسے برہان یقینی اور انکشاف تام دل کو۔ اور یہ انکشاف اور یہ برہان جو معرفت الٰہی اور معاد میں مطلوب ہے جو درحقیقت سرچشمہ نجات ہے۔ صرف اُس سچے عرفان سے حاصل ہوتا ہے جو صابر انسان کو بعد ایمان کے ملتا ہے پرانے یا نئے فلسفہ کے ذریعے سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اُن لوگوں پر یہ امر مشتبہ رہتا ہے کہ جو نہ ایمان کو مرتبہ کمال تک پہنچاتے ہیں تا اس کے انوار معلوم کریں۔ اور نہ فلسفہ میں پوری ترقی کرتے ہیں۔ تا اس کے زہریلے اثر پورے طور پر اُن پر ظاہر ہوں۔ ہر ایک چیز کی پوری حقیقت اس کے کمال سے کھلتی ہے۔ مثلاً اگر کسی زہر یا تریاق کی اصل حقیقت معلوم کرنی ہو تو اس کی پوری خوراک کھا کر دیکھیں اور اگر کسی فلاسفر یا نبی کی ہدایت کے نتائج کا ملہ دریافت کرنے مقصود ہیں تو پورے طور پر اس کے چیلے یا متبعین بنیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کا کمال جس حد تک انسان کو پہنچا تا رہا ہے اور اب بھی پہنچاتا ہے۔ وہ وہی حد ہے جس کو دہریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کا گمان ہے کہ حقیقی خدادانی کے وہ لوگ وارث ہیں جو فلاسفر کہلاتے ہیں۔

کیا حقیقی انکسار اور حقیقی تقوے اور حقیقی خداترسی اور کامل طور پر خدا تعالیٰ کی عظمتوں کو دل میں بٹھانا جو حقیقی خدادانی کے نتائج ہیں کبھی ان فلاسفروں کو میسّر ہوئے ہیں۔ یا اب میسّر ہیں۔ کیا فلسفہ کی کتابوں کے ورق گردانی سے اُس سچی معرفت کی اُمید ہے جو نفسانی جذبات سے آزاد کرتی اور محبت الٰہی دل میں بٹھاتی ہے میری دانست میں تو ہرگز نہیں فلسفہ کے علم کا انتہائی معراج تو یہی ہے کہ ایک انسان جو صرف فلسفہ کا تابع ہے خدا اور رسول اور بہشت اور دوزخ سے بکلی دست بردار ہو جائے اور تکبر اور رعونت

گو اور نفس پرستی اختیار کر لیوے۔ اُن کے نزدیک اقرار وجود ذات مدبر بالارادہ صرف ایک وہم
نشہ اور صوم وصلوٰۃ تضیع اوقات اور فکر معاد مجنونانہ خیال ہے۔ یہی اُن کی لو رگ وپے میں دُہ
سے باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو ایک پُر زور انجن کی طرح ہر دم دہریت کی طرف کھینچتی چلی جاتی
خدا ہیں۔ اسلامی حکمت اور معرفت کا مرکز دائرہ وجود باری اور اس کا مدبّر بالارادہ ہونا اور
اور اس کا واحد لاشریک ہونا ہے، اور اسی کے مناسب حال ہمارے دین کے تمام مسائل ہیں
بلند اور فلسفیوں کی حکمت اور معرفت کا اصل مرکز دائرہ دہریت ہے اور اسی کے مناسب حال
سے اُن کی تمام تحقیقاتیں ہیں۔

ہاں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صرف برائے نام خدا تعالےٰ کو علّت العلل
سے
خیال سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کو مدبر بالارادہ اور اپنی مخلوق میں متصرف اور عالم جمیع جزئیات
طے کر کائنات یقین نہیں رکھتے۔ اور کوئی اختیار یا تصرف اس کا عالم پر تسلیم نہیں کرتے سو وہ
بھی درحقیقت دہریوں کے چھوٹے بھائی ہیں۔

یہ سچ ہے کہ انسان جہاں سچائی دیکھے اس کو لے لے لیکن ہمیں نہیں چاہیئے
کی تا، کہ مسموم کھانوں میں سے ایک کھانے کو اس خیال سے کھانے لگیں کہ غالباً اس میں
پر بہ بزار زہر نہیں ہوگا۔ یہ یقینی امر ہے کہ ہر ایک شخص اپنے اصول کے موافق کلام کرتا ہے۔ اور
زنتوں۔ تمام جزی مباحث اور تحقیقات پر اصول کا اثر پڑا ہوا ہوتا ہے۔ پھر جبکہ فلاسفروں کا اصل
کہ دینہ عقیدہ دہریت یا اُسی کے قریب قریب ہے تو کب اُمید ہو سکتی ہے۔ کہ اُن کے دوسرے
ثابت سہ مباحث میں جو اُسے اصول کے زیر سلسلہ چلے جاتے ہیں۔ کوئی صلاحیت اور رشد کی بات
واقعات ہوگی۔ اور خدائے تعالےٰ کے کلام نے ہمیں کون سی ضرورت اور حاجت ان کی طرف باقی
کہ کوئی بڑا رکھی ہے۔ تاہم دانستہ ایسے خطرناک راہ کو اختیار کریں۔ جو ہمیشہ ہلاکت تک پہنچاتی رہی ہے۔

ہر ایک مسلمان پانچ وقت اپنی نماز میں یہ دُعا پڑھتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم،، اور خدائے تعالیٰ نے آپ فرما دیا ہے کہ صراط مستقیم نبیوں کی راہ صدیقوں کی راہ شہیدوں کی راہ ہے۔ پھر ہم سخت نادان ہوں گے اگر ہم ان راہوں کے طلب گار نہ ہوں جن کی طلب کے لئے خدائے تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ اور فلسفیوں کے پیچھے بھٹکتے پھریں۔ اور یہ خیال کہ ہم کو اپنے جمیع عقائد ایسے معقولی طور پر ثابت کر لینی چاہئیے کہ جیسے ہندسہ اور حساب اور بعض حصے علوم طبعی کے ثابت ہیں کیونکہ انسان مکلّف بعقل ہے پس جو باتیں ہماری عقل سمجھ نہ سکے وہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ یہ سخت مضر اور مہلک دھوکہ ہے۔ جو آپ کو لگا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہے۔ کہ آپ علم اور مذہب کو دو چیز رکھنا نہیں چاہتے بلکہ جمیع مسائل اور عقائد مذہب کو ایسا علم بنانا چاہتے ہیں جو ہندسہ اور حساب کی طرح یا اُس سے بھی بڑھ کر ہو۔ مگر افسوس کہ آپ یہ نہیں سوچتے کہ اگر علم دین اور دینی عقائد ایسے ہی علوم بدیہیہ میں سے ہوتے کہ جیسے دو اور دو چار تو پھر کیا وجہ تھی کہ ان کے ماننے اور تسلیم کرنے سے ہمیں نجات کا وعدہ دیا جاتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی بدیہی بات کے ماننے اور قبول کرنے سے نجات کو کیا تعلق ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے مان لیا کہ اب تک جو ۲۰ نومبر ۱۸۹۲ء ہے سید صاحب صحیح سالم زندہ موجود ہیں۔ یا اگر میں قبول کر لوں کہ فی الواقع اتوار کے بعد پیر آتا ہے۔ اور درحقیقت بیس کا نصف دس ہوتے ہیں تو کیا مجھے ان باتوں پر ایمان لانے اور مان لینے سے کسی ثواب کی توقع رکھنی چاہیئے۔

پھر اگر مثلاً وجودِ ملائک کا اشیاءِ مشہودہ محسوسہ کی طرح ہوتا مثلاً ایسا یقینی ہوتا کہ خدا تعالیٰ آپ کو کوئی فرشتہ پکڑ کر دکھا دیتا اور آپ ملائک کو ہاتھوں سے ٹٹول لیتے

اور آنکھوں سے دیکھ لیتے اور اب ہی بہشت کی نہریں اور حور اور غلمان آپ کو علی گڑھ میں بیٹھے ہوئے نظر آجاتے۔ اور شراب طہور کا کوئی پیالہ بھی پی لیتے اور دوزخ بھی سامنے نظر آتا۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان تمام کھلم کھلے ثبوتوں کے بعد آپ کا اسناد صدنما کہنا کیا وزن رکھتا۔

میرے عزیز سیّد!

وقت گذرتا جاتا ہے جلد اس نازک اور ضروری مسئلہ کو سمجھ لو کہ مدار اجر ایمان پر ہے۔ اور ایمان اسی طرز کے ماننے کا نام ہے۔ کہ جب امور مسلّمہ چند قرائن سے ممکن الوجود نظر آدیں۔ مگر ہنوز مخفی اور مستور ہوں۔ کیونکہ ایسے امور کے ماننے سے انسان خدائے تعالےٰ کے نزدیک صادق ٹھہر جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس نے اس کے نبی اور رسُول کی خبر کو مان لیا۔ اور اس کے پیغمبر کو مخبر صادق سمجھ لیا۔

سو اس صدق اور حُسنِ ظن سے وہ بخشا جاتا ہے۔ اس دقیق بھید کو تلاش کرنا ہر یک عقلمند کا فرض ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے کیوں ایسا کیا کہ جن امور پر ایمان لانے کی تکلیف دی۔ ان کو ایسا مخفی اور مستور رکھا کہ وہ اِس دنیا کی عقل اور اس دنیا کی حکمت اور اس دُنیا کے علم سے کھل نہیں سکتے۔ مثلاً ایمانیات میں سے سب سے مقدم امر خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے علیم اور حکیم اور قادرِ مطلق اور مدبر بالارادہ اور واحد لاشریک اور ازلی ابدی اور ذوالعرش اور پھر ہر ایک جگہ حاضر ناظر ہونے پر ایمان لانا ہے۔

مگر بجز قیاسی باتوں اور خود تراشیدہ خیالات کے اور کون سا پتہ ان امور کا عقل لگا سکتی ہے اور کیونکر ایسا شخص جو انکشاف حقیقت کا بھوکا پیاسا اور زندہ

خدا کی معرفت چاہتا ہے۔
عقل کی یکطرفہ اور ناکافی استدلالات پر مطمئن ہو سکتا ہے۔ عقل انسانی ہزار سوچے اور گو لاکھ دفعہ زمین اور اجرام آسمانی کی پرحکمت بناوٹ پر نظر غور کرے لیکن وہ یہ دعوے نہیں کر سکتے۔ کہ اس عالم کا کوئی صانع ہے کیونکہ البساد عوے تو تب کرے کہ اس کو دیکھا بھی ہو۔ اس کا کوئی پتہ بھی لگا ہو۔
ہاں اگر عقل دہوکہ نہ کھاوے اور دوسری طرف رُخ نہ کرے تو یہ کہہ سکتی ہے کہ اِس ترتیب محکم اور ترکیب ابلغ اور اسی کاروبار پُرحکمت کا کوئی صانع ہونا چاہیئے مگر ہے اور ہونا چاہیئے۔ میں جس قدر فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اور یہ بات بھی بطور تنزل ہم نے بیان کی ہے۔ ورنہ جنہوں نے خدا تعالےٰ کے وجود کا پتہ لگانے میں صرف اپنی عقل ہی کو امام بنایا اور فقط اسی کی رہبری سے کسی منزل تک پہنچنا چاہا تھا ان کو عقل نے جس جگہ پہنچایا ہے۔ وہ یہی ہے کہ یا تو وہ لوگ آخر کار دہریہ ہو گئے۔
اب جبکہ خدا دانی کے مرتبہ پر ہی عقلمندوں کا یہ حال ہوا اور بسم اللہ ہی غلط ہوئی تو پھر دوسرے امور غیبیہ کا عقل انسان کو کچھ پتہ لگ جانا کیا امید رکھیں رسو اِس سوال کا جواب کہ یہ ایمانی امور کیوں مخفی رکھے گئے۔ وہی ہے جو ابھی ہم لکھ چکے ہیں یعنے خدا تعالےٰ کی رحمت اور بخشش اور فضل نے اِن امور مخفیہ کو انسان کی نجات کے لئے ایک راہ نکالی کیونکہ خدا تعالےٰ نے اپنی ہستی کو جو علت العلل ہے اور اپنے ملایک کو جو باذنہ تعالےٰ مدبرات امور ہیں۔ اور قیامت کو جو - - - - - - - - ـــ تجلی گاہ قدرت تامہ ہے۔ اور بہشت اور دوزخ اور حقیقت نبوت اور رسالت اور وحی کو عقلمندوں کی نظر سے پوشیدہ کیا اور اپنے ان بندوں کو ان امور کی معرفت بخش

کر اور تاجِ نبوت اور خلعتِ رسالت عطا فرما کر دعوتِ ایمان کے لئے دنیا میں بھیجا
پھر جس نے ان کو مخبرِ صادق سمجھا اور ان کی باتوں پر ایمان لایا وہ مومن کہلایا اور نجات
پاگیا۔ اور جس نے دنیا کی عقل اور منطق کو اپنا قبلہ بنا کر چون وچرا کیا وہ مردود ٹھہر
کافر اور خسر الدنیا والآخرت قرار پایا اور جہنم اس کا ٹھکانا ہوا۔

لیکن اس جگہ کوئی یہ دھوکہ نہ کھاوے کہ اس دعوتِ ایمان میں محض جبر اور تکلیف
مالایطاق ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اس "تالیف" اور تالیفات سابقہ میں لکھ چکے ہیں۔ ان
ایمانی امور کے ساتھ ایسے قرائن مرجحہ ہی ہیں جو طالبِ حق کو تشفی بخشتے ہیں۔ اور
عقلِ سلیم کے لئے قائم مقام دلائل دبراہین ہو جاتے ہیں۔ اور اوہام فلسفیہ کو کالعدم
اور نابود کر دیتے ہیں۔ پھر جب کہ وہ ایسے شخص کے مونہہ سے نکلے جو بہت سے انوار
سماوی اور برکات اور خوارق اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ تو ان انوار کو ملحوظ نظر رکھنے سے
بلاشبہ ایک سلیم الفطرت آدمی کا یقین نور علی نور ہو جاتا ہے۔

سو ایمان کی یہی فلاسفی ہے۔ جو میں نے بیان کی خداتعالے کا کلام ہمیں یہی
سکھلاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ تب نجات پاؤ گے۔ یہ ہمیں ہدایت نہیں دیتا کہ تم ان عقاید پر
جو نبی علیہ السلام نے پیش کئے دلائل فلسفیہ اور براہین یقینیہ کا مطالبہ کرو اور جب
تک علوم ہندسہ اور حساب کی طرح وہ صداقتیں کھل نہ جائیں تب تک ان کو مت
مانو۔

ظاہر ہے کہ اگر نبی کی باتوں کو علوم حسیّہ کے ساتھ وزن کر کے ہی ماننا ہے۔
تو وہ نبی کی متابعت نہیں۔ بلکہ ہر ایک صداقت جب کامل طور پر کھل جاوے۔ خود
واجب التسلیم ٹھہرتی ہے۔ خواہ اس کو ایک نبی بیان کرے۔ خواہ غیر نبی۔ بلکہ اگر

ایک فاسق بھی بیان کرے تب بھی ماننا ہی پڑتا ہے۔ جس خبر کو نبی کے اعتبار پر
اور اس کی صداقت کو مسلّم رکھ کر ہم قبول کریں گے۔ وہ چیز ضرور ایسی ہونی چاہیئے۔
کہ گو عند العقل صدق کا بہت زیادہ احتمال رکھتے ہو مگر کذب کی طرف بھی کسیقدر بادی النظر
کا وہم جا سکتا ہو تاہم صدق کے شق کو اختیار کرکے اور نبی کو صادق قرار دے کر
اپنی نیک ظنی اور اپنی فراست دقیقہ اور اپنے ادب اور اپنے ایمان کا اجر پالیویں۔

یہی لب لباب قرآن کریم کی تعلیم کا ہے۔ جو ہم نے بیان کردیا ہے۔ لیکن
حکماء اور فلاسفر اس پہلو پر چلتے ہی نہیں۔ اور وہ ہمیشہ ایمان سے لاپرواہ رہے
اور ایسے علم کو ڈھونڈتے رہے جس کا فی الفور قطعی اور یقینی ہونا ان پر کھل جائے۔
مگر یاد رہے کہ خدا تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا حکم فرما کر مومنوں کو یقینی معرفت
سے محروم رکھنا نہیں چاہا۔ بلکہ یقینی معرفت کے حاصل کرنے کے لئے ایمان ایک
زینہ ہے۔ جس زینہ پر چڑھنے کے بغیر سچی معرفت کو طلب کرنا ایک سخت
غلطی ہے۔ لیکن اس زینہ پر چڑھنے والے معارف صافیہ اور مشاہدات شافیہ
کا ضرور چہرہ دیکھ لیتے ہیں۔

جب ایک ایماندار بحیثیت ایک صادق مومن کے احکام اور اخبار الٰہی
کو محض اس جہت سے قبول کرلیتا ہے۔ کہ وہ اخبار اور احکام ایک مخبر
صادق کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائے ہیں تو عرفان کا
انعام پانے کے لئے مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں
کے لئے یہی قانون ٹھہرا رکھا ہے کہ پہلے وہ امور غیبیہ پر ایمان لاکر فرمانبرداروں میں
داخل ہوں۔ اور پھر عرفان کا مرتبہ عطا کرکے سب عقدے ان کے کھولے جائیں۔

لیکن افسوس کہ جلد باز انسان ان راہوں کو اختیار نہیں کرتا۔

خدا تعالے کا قرآن کریم میں یہ وعدہ ہے کہ جو شخص ایمانی طور پر نبی کریم صلعم کی دعوت کو مان لیوے تو وہ اگر مجاہدات کے ذریعہ سے ان کی حقیقت دریافت کرنا چاہے وہ اس پر بذریعہ کشف اور الہام کے کھولے جائیں گے۔ اور اسی کے ایمان کو عرفان کے درجہ تک پہنچایا جائے گا۔ اور اس وعدہ کا صدق ہمیشہ ان بازوں پر جو مجاہدات سے خدا تعالے کو ڈھونڈتے ہیں ظاہر ہو جاتا ہے۔

غرض جو بات مومنوں کی معمولی سمجھ سے برتر ہے اس کے دریافت کرنے کی یہ راہ نہیں ہے۔ کہ وہ فرقہ ضالہ فلاسفروں کے دست نگر ہوں۔ اور گم گشتہ سے راہ پوچھیں بلکہ ان کے لئے صدق اور صبر سے عرفان کا مرتبہ عطا کیا جاتا ہے۔ جس مرتبہ پر پہنچکر تمام عقدے ان کے حل ہو جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسا کہ وہ پہلے کبھی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہو گا اور اسلام فتح پائے گا۔

حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام کی اعلےٰ طاقتوں کا مجھ کو علم دیا گیا ہے جس علم کے

رُو سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کر دے گا۔

اِسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں ہے۔ جو فلسفہ اور طبعی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔ اس کے اقبال کے دن نزدیک ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کے فتح کے نشان نمودار ہیں۔ یہ اقبال روحانی ہے۔ اور فتح بھی روحانی۔ تا باطل علم کی مخالفانہ طاقتوں کو اس کی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دیوے۔ میں متعجب ہوں کہ آپ نے کس سے اور کہاں سے سُن لیا اور کیونکر سمجھ لیا کہ جو باتیں اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے پیدا کی ہیں۔ وہ اسلام پر غالب ہیں۔ حضرت خوب یاد رکھو کہ اس فلسفہ کے پاس تو صرف عقلی استدلال کا ایک ادھورا سا ہتھیار ہے۔ اور اسلام کے پاس یہ بھی کامل طور پر اور دوسرے کئی آسمانی ہتھیار ہیں۔ پھر اسلام کو اس کے حملہ سے کیا خوف پھر نہ معلوم کہ آپ اس قدر اس فلسفہ سے کیوں ڈرتے ہیں اور کیوں اس کے قدموں کے نیچے گرے جاتے ہیں اور کیوں قرآنی آیات کو تاویلات کے شکنجہ میں چڑھا رہے ہیں۔

افسوس کہ جن باتوں میں سے ایک بات کو بھی ماننا اس امر کو مستلزم ہے کہ اسلام کے سارے عقائد سے انکار کیا جائے۔ اُن باتوں کا ایک ذخیرہ کثیرہ آپ نے مان لیا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ باوجود انکار معجزات انکار ملائک انکار اخبار غیبیہ انکار وحی انکار اجابت دُعا وغیرہ انکارات کے آپ جا بجا یہ بھی مانتے گئے کہ قرآن برحق، رسول برحق اسلام برحق اور مخالف اس کے سب

باطل تو ان متضاد خیالات کے جمع ہونے کی وجہ سے یا آپ کی تالیفات اس عجیب حیوان کی مانند ہو گئیں کہ جو ایسا فرض کیا جائے کہ جس کا منہ آدمی کا ہو اور دُم بندر کی اور کھال بکرے کی اور پنجے بھیڑیے کے اور دانت ہاتھی کے کھانے کے اور دکھانے کے اور پھر نہایت افسوس کی جگہ یہ ہے کہ شیعوں کی طرح آپ کے کلام میں تقیہ بھی پایا جاتا ہے۔

چنانچہ آپ اپنی دلیل کے بیان کرنے میں ایک ایسی ذوالوجوہ بات بیان کر جاتے ہیں۔ جس کا کچھ ماحصل معلوم نہیں ہوتا۔ اور شتر مرغ کی طرح آپ کا کلام دونوں صورتوں کی گنجائش رکھتا ہے۔ شتر کی بھی اور مرغ کی بھی۔ شاید آپ اپنے اُسی پہلے عذر کو جواب میں درد کر چکا ہوں دوہرا کر کہیں کہ اس قسم کی تالیفات کی زمانہ کو ضرورت تھی۔ اور شاید آپ کا یہ خیال ہو کہ اگر کسی فتنہ میں تمام مال غارت ہوتا دیکھیں۔ تو یہ کچھ بُری بات نہیں۔ کہ اگر کچھ تھوڑا سا نقصان اٹھا کر بڑے نقصان سے بچ سکیں تو بچنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ تھوڑے کا ہاتھ سے جانا اس سے بہتر ہے کہ سارا جائے ؂

لیکن یہ تمام خیالات آپ کی قلت تدبر سے ہوں گے۔ آپ کو یاد رہے کہ قرآن کا ایک نقطہ یا شعشہ بھی اولین اور آخرین کے فلسفہ کے مجموعی حملہ سے ذرہ سے نقصان کا اندیشہ نہیں رکھتا۔ وہ ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرے گا اس کو پاش پاش کر دے گا۔ اور جو اس پر گرے گا وہ خود پاش پاش ہو جائے گا۔ پھر آپ کو دب کر صلح کرنے کی کیوں فکر پڑ گئی۔ آپ نے اسلام کے لئے بجز اس کے اور کیا کیا ہے۔ کہ فلسفہ موجودہ کے بہت سے باطل خیالات کو مان لیا۔ اور اس کتاب کو جسکے ایک ایک حرف سے

نشانِ خدا نظر آتی ہے۔ فلاسفروں کے خیالات کے تابع کرنا اور گر کر صلح کے لئے مجبوری ظاہر کی۔ سو میرے خیال میں آپ کی یہ کارروائیاں اِس زمانہ کے دجالی فتنوں سے بچا نہیں سکتیں۔ بلکہ اس کی شاخوں میں سے یہ بھی ایک شاخ ہے۔ کیونکہ آپ نے اسلامی قلعہ کے اندر ہو کر دشمنوں کے لئے دروازہ کھولدیا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں باندھنے میں کوشش کی تا دشمن بآرام و امن اِس شہر میں داخل ہو کر جسطرح چاہیں دست برد کریں۔ اور مسلمان کچھ ہاتھ پیر نہ ہلا سکیں۔ مگر میری یہی رائے ہے کہ آپ نے یہ طریق عمداً اختیار نہیں کیا۔ بلاشبہ آپ کی نیت بخیر ہوگی۔ کیونکہ آپ کی تالیفات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے۔ کہ آپکے اسلامی خیر خواہ ہونے میں شک نہیں۔ گو آپ کی خیر اندیشی درحقیقت بد اندیشی کا کام دے گی۔ اور یہ قوم کی بدقسمتی ہے۔ کہ ایک مصلح کے پیرایہ میں وہ ضرر آپ سے مسلمانوں کو پہنچ گیا۔ کہ شاید کوئی مفسد بالجبر ایسا ضرر نہ پہنچا سکتا۔ شاید آپ یہ عذر پیش کریں۔ اِس طریق کے اختیار کرنے میں ایک حکمت عملی تھی۔ اور وہ یہ کہ آپ نے ایسے وقت میں یہ تالیفات کیں کہ جب مغربی علوم کے بداثر بہت قوت سے دنیا میں پھیلتے جاتے تھے۔ اور طوفانِ ضلالت بہت طغیانی پر تھا۔ تو آپ نے نجاست خوروں کے لئے نجاست بطور غذا کے پیش کر دی تا وہ اِسلام سے باہر نہ جائیں۔ نجاست کھائیں بارے اِسلام میں تو رہیں پس آپ کی نسبت بعض کا یہ مقولہ شاید کسیقدر ٹھیک ہو کہ اگر ایسے لوگوں کے لئے سید صاحب ایسی غذا پیش نہ کرتے تو خدا معلوم وہ کن حیوانات کی قطار میں مل جاتے۔ اگر آپ کی یہی نیت تھی۔ تو پھر بھی میرے نزدیک غلطی سے

خالی نہیں۔ کیونکہ آپ کسی کے بد مادّہ کو اس کے تقاضائے ظہور سے روک نہیں سکتے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔

"کل یعمل علیٰ شاکلتہ"

یعنے ہر ایک شخص اپنی فطرت کے موافق عمل کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ مسائل صحیحہ کا معلم ہو چاہے کوئی ان کو قبول کرے یا ردّ کرے۔ یہی طریق انبیاء ہے۔ نہ یہ کہ دوسرے کو اندھا دیکھ کر اپنی آنکھ بھی پھوڑے۔

شاید آپ کے دل میں یہ عذر بھی مخفی ہو کہ اس نئے فلسفہ کے طوفان کے وقت اسلام کی کشتی خطرناک حالت میں تھی۔ اور گو وہ کشتی جواہرات اور نفیس مال و متاع سے بھری ہوئی تھی۔ مگر چونکہ وہ مہلکہ انگیز طوفان کے نیچے آ گئے تھے۔ اس لئے اس ناگہانی بلا کے وقت یہی مصلحت تھی اور اس کے بغیر کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ کہ کسیقدر وہ جواہرات اور نفیس مال کی گٹھڑیاں دریا میں پھینک دی جائیں اور جہاز کو ذرہ ہلکا کر کے جانوں کو بچا لیا جائے۔ لیکن اگر آپ نے اس خیال سے ایسا کیا تو یہ بھی خود داری کی ایک گستاخانہ حرکت ہے۔ جس کے آپ مجاز نہیں تھے۔ اس کشتی کا ناخدا خداوند تعالےٰ ہے نہ آپ وہ بار بار وعدہ کر چکا ہے کہ ایسے خطرات میں یہ کشتی قیامت تک نہیں پڑے گی۔ اور وہ ہمیشہ اس کو طوفان اور باد مخالف سے آپ بچاتا رہے گا جیسا کہ آپ فرماتا ہے:۔

"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"

یعنے ہم نے ہی اس کلام کو اتارا اور ہم ہی اس کو بچاتے رہیں گے۔ سو آپ کو چاہیئے کہ آپ اس ناخدا کی غیبی ہدایت کی انتظار کرتے اور دلی یقین سے سمجھتے

کہ اگر طوفان آگیا ہے تو اب اُس ناخدا کی مدد بھی نزدیک ہے۔ جس کا نام خدا ہے۔ جو مالک جہاز بھی ہے اور ناخدا بھی۔

پس چاہیئے تھا کہ ایسی بے رحمی اور جرأت نہ کرتے اور آپ ہی خود مختار بن کر بے بہا جواہرات کے صندوق اور زرِ خالص تھیلیاں اور نفیس اور قیمتی پارچات کی گٹھڑیاں دریا میں نہ پھینکتے۔ خیر ہرچہ گذشت گذشت اب میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں اور بشارت پہنچاتا ہوں کہ اس ناخدا نے جو آسمان اور زمین کا خدا ہے۔ زمین کے طوفان زدوں کی فریاد سن لی اور جیسا کہ اُس نے اپنی پاک کلام میں طوفان کے وقت اپنے جہاز کو بچانے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ وہ وعدہ پورا کیا۔ اور اپنے ایک بندہ کو یعنی اِس عاجز کو جو بول رہا ہے۔ اپنی طرف سے مامور کر کے وہ تدبیریں سمجھا دیں۔ جو طوفان پر غالب آدیں۔ اور مال و متاع کے صندوقوں کو دریا میں پھینکنے کی حاجت نہ پڑے۔

اب قریب ہے جو آسمان سے یہ آواز آوے کہ یا ارض ابلعی ماءک و یا سماء اقلعی وغیض الماءُ وقضی الامر واستوت علی الجودی۔ مگر ابھی تو طوفان زور میں ہے۔ اسی طوفان کے وقت خدا تعالےٰ نے اس عاجز کو مامور کیا اور فرمایا واصنع الفلک باعیننا ووحینا یعنی تو ہمارے حکم سے اور ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی تیار کر۔ اس کشتی کو اس طوفان سے کچھ خطرہ نہ ہوگا۔ اور خدا تعالےٰ کا ہاتھ اُس پر ہوگا۔ سو وہ خالص اسلام کی کشتی ہی ہے۔ جس پر سوار ہونے کے لئے میں لوگوں کو بلاتا ہوں۔ اگر آپ جاگتے ہو تو اٹھو اور اس کشتی میں جلد سوار ہو جاؤ۔ کہ طوفان زمین پر سخت جوش کر رہا ہے۔ اور ہر ایک جان خطرہ میں ہے۔ اگر آپ انصاف پسند ہوں تو سب سے پہلے آپ اس طوفان کے وجود کا اقرار کر سکتے ہیں۔

بلکہ آپ نے تو کئی جگہ اقرار کر دیا ہے۔ کہ اسلام کی کشتی کو طوفان سے بچانے کا وعدہ جو قرآن کریم میں موجود ہے اس طوفان اور اس وعدہ کا زمانہ یہی ہے۔ ایسے طوفان کا زمانہ اس امت پر کبھی نہیں آیا۔ جواب آ گیا۔ دنیا نے کبھی علم اور مذہب کی وہ لڑائیاں نہ دیکھیں جو اب ہو رہی ہیں۔ کبھی کسی پرانے طبعی اور فلسفہ نے اسلام کا اب نقش مٹانا نہ چاہا جو حال کا سائنس مٹانے کے فکر میں ہے۔ کون اس درجہ کی عقلی اور علمی رہزنیوں کا پہلے زمانوں میں کوئی نشان دے سکتا ہے۔ جن کو اب ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ کس کی یہ طاقت ہے۔ کہ اس معقولی طوفان کا نمونہ کبھی پہلے وقت میں دکھا دے جسکو اب ہم دن رات مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان دقیق در دقیق فلسفیانہ اور دہریانہ حملوں کے پہلے وقتوں میں کہاں نظیر مل سکتی ہے۔ اور ان پیچ در پیچ علاقانہ ہنگاموں کا قرون گذشتہ میں کہاں پتہ لگ سکتا ہے اس قسم کی علمی اور عقلی آفات کبھی پہلے زمانہ میں کہاں ہے۔ جن کا اب اسلام کو سامنا ہوا ہے کب اور کس وقت ایسی مشکلات کبھی پہلے زمانہ میں بھی پیش آئی تھیں جو اب پیش آ رہی ہیں۔ کیا آپ کو اس بات کا اقرار نہیں کہ یہ اشد درجہ کی علمی مباحث کی مصیبتیں اور صعوبتیں جو اب اسلام پر وارد ہیں اس کے پہلے زمانوں میں ایسی مصیبتیں کبھی وارد نہیں ہوئیں۔ اور نہ آدم سے لے کر ابتدام تک اس کی کوئی نظیر پائی جاتی ہے۔ کیا آپ اس بات کو نہیں مانتے کہ اس فلسفہ اور سائنس کی بلا اس بلا سے ہزار ہا درجہ شدت اور غفلت میں بڑھ کر ہے جو یونانیوں کے علوم سے اسلامی ملکوں میں پہلے تھی۔ کیا آپ اس امر واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ دشمن جو اب پیدا ہوا ہے۔ اپنی قوت بازو میں ان تمام دشمنوں کے مجموعہ سے بڑھ کر ہے۔ جو متفرق زمانوں میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ پھر آپ اس اقرار سے کہاں بھاگ سکتے ہیں کہ وہ پاک وعدہ جسکو یہ پیارے الفاظ ادا کر رہے ہیں کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون وہ

انہیں دلوں کے لئے زندہ ہے۔ جو بتلا رہا ہے کہ جب اسلام پر سخت بلا کا زمانہ آئے گا اور سخت دشمن اس کے مقابل کھڑا ہوگا۔ اور سخت طوفان پیدا ہوگا تب خدا تعالیٰ آپ اس کا معالجہ کرے گا۔ اور آپ اس طوفان سے بچنے کے لئے کوئی کشتی عنایت کرے گا۔ وہ کشتی اسی عاجز کی دعوت ہے۔ اگر کوئی سن سکتا ہے تو سنے۔ آپ احادیث نبویہ کے تو پورے سے انکاری ہیں۔ پھر ہر ایک صدی پر مجدد آنے کی حدیث آپ کے سامنے پیش کرنا فضول ہے۔ آپ کیوں اس کو قبول کریں گے۔ اس سے تو فراغت ہے۔ مگر میں آپ کو اسی آیت موصوفہ بالا اور اسی کے مانند اور کئی آیتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو میں نے اس بحث کے موقعہ پر اسی کتاب میں لکھی ہیں۔

حضرت یہ وہ زمانہ ہے اور یہ وہ آفات ہیں کہ جن کے لئے ضرور تھا کہ عنایت ازلی آپ ہی توجہ کرتی۔ قرآن کریم اسی زمانہ کی بلاؤں کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" یعنے ہم نے ہی اس کلام کو اتارا اور ہم ہی اس کی عزت اور اس کی عظمت اور اس کی تعلیم کو دشمنوں کے حملوں سے بچائیں گے پہلے وہ زمانے تھے کہ اسلام کی ظاہری تلوار نے بہت سی فضول بحثوں سے فراغت کر رکھی ہے۔ اور ظاہر اور شریعہ گروں کے لئے ان کے مناسب حال تدارک موجود تھا اور عہد نبوت بھی قریب تھا۔ اور مسلمانوں میں تقویٰ اور طہارت اور سچی ہمدردی اسلام کی موجود تھی۔ اب یہ سب کچھ ندارد اور اب اسلام جیسا روئے زمین میں کوئی غریب اور یتیم اور مسکین نہیں۔ اکثر اہل مقدرت اپنی عیاشیوں میں مصروف اور ان کو اپنی دنیا کی عمارتوں کے بنانے اور اپنی لذات کے سامان تیار کرنے یا کبقدر ننگ و ناموس کے لئے مال خرچ کرنے سے فراغت نہیں اور مولوی لوگ اپنے نفسانی جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اور دعوت اسلام کی نہ لیاقت رکھتے ہیں نہ اس کا کچھ جوش نہ اس کی کچھ پروا۔ اگر ان سے کچھ ہو سکتا ہے۔ تو صرف اس قدر کہ اپنی ہی قوم اور اپنے ہی بھائیوں اور اپنے جیسے مسلمانوں اور اپنے جیسے کلمہ گوئیوں اور اپنے جیسے اہل قبلہ کو کافر قرار دیں۔ دجال کہیں اور لمبے لمبے نام رکھیں اور فتوے لکھیں کہ ان سے ملنا جائز نہیں۔ اور ان کا جنازہ پڑھنا روا نہیں۔ یہ ایسے ہیں اور ویسے ہیں اور کیا کیا ہیں۔

اور اس وقت کے پیرزادے اور گوشہ نشین بن جو سجادہ نشین اور اہل اللہ کہلاتے ہیں کانوں میں روئی دے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسلام کو ان کی آنکھوں کے سامنے ایک معصوم بچہ کی طرح مار پڑ رہی ہیں۔ اور دشمن گلا گھونٹنے کو تیار ہے۔ لیکن ان سخت دل نام کے فقیروں کو کچھ بھی پروا نہیں۔ پھر اسلام کس سے مدد چاہے۔ اور کس کو اپنا ہمدرد سمجھے۔ اول تو اسلام کے لئے ان تمام فرقوں سے کچھ خدمت ہوتی ہی نہیں۔ اور اگر شاذ و نادر کسی سے ہو بھی تو وہ ریا اور ملونی سے خالی نہیں۔ پھر اگر اسلام اسوقت غریب نہیں۔ تو پھر کس وقت ہوگا۔ اور اگر یہ مصیبت کے دن نہیں تو پھر اور کب آئیں گے۔

میں خدا تعالے سے یقینی اور قطعی علم پاکر کہتا ہوں۔ کہ یہ وہی سخت بلاؤں کے دن اور وہی دجالیت کا زمانہ ہے۔ جس کے آنے کی نبی معصوم علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ حال کے نادان مولوی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دجالیت کبریٰ اور فتن عظمیٰ کا زمانہ نہیں۔ مگر بات تو تب ہو کہ آدم سے لے کر تا ایندم ان عظیم الشان فتنوں کے جو اسلام کے جگر پر حربے مار رہے ہیں۔ کوئی نظیر پیش کرسکیں۔ اور چونکہ اس زمانہ سے بکلی صلاحیت اٹھ گئی۔ اور حقیقی تقویٰ لے جاتی رہی۔ اور بعضوں کے ہاتھ میں صرف تقویٰ اور اعمال صالحہ کا پوست رہ گیا۔ نہ مغز اور بعضوں کے ہاتھ میں نہ پوست رہا اور نہ مغز بجز

خدا تعالیٰ کے پوشیدہ بندوں کے جو شاذ نادر کے حکم میں ہیں۔ اس لئے یہ زمانہ ایسا نہ رہا کہ خیر سے خیر ہو۔ اور ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکے۔ اور خدا تعالیٰ نے دیکھا جو زمین بگڑ گئی اور کوئی نہیں جو آپ اصلاح کر سکتا ہو۔ ایک بھی نہیں اور اس نے دیکھا کہ کاموں اور کلاموں اور نیّات اور عبادات ارادات میں فساد راہ پا گیا ہے۔ اور اعمال درست نہیں رہے۔ تب اُس نے وعدہ کے موافق آسمان سے اُس مقدّس شخص کی شبیہ کو اتارا جس کی پیروی کے دعوے کرنے والے بنیاد فساد اور زمین میں دجالیت کی نجاست پھیلانے والے تھے۔ اور اصلیت سے بگڑ کر دجال اکبر بن گئے تھے۔ اور چونکہ اُس اترنے والے کے لیئے یہ موقعہ نہ ملا کہ وہ کچھ روشنی زمین والوں سے حاصل کرتا یا کسی کی بیعت یا شاگردی سے فیضیاب ہوتا۔ بلکہ اس نے جو کچھ پایا آسمان کے خدا سے پایا اسی وجہ سے اس کے حق میں نبی معصوم کی پیشگوئی میں یہ الفاظ آئے کہ وہ آسمان سے اُترے گا۔ یعنے آسمان سے پائے گا۔ زمین سے کچھ نہیں پائے گا۔ اور حضرت عیسےٰ کے نام پر اس عاجز کے آنے کا بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسی عیسائی فتنہ کے وقت میں یہ فتنہ حضرت مسیح کو دکھایا۔ یعنے ان کو آسمان پر اس فتنہ کی اطلاع دے دی۔ کہ تیری قوم اور تیری امت نے اس طوفان کو برپا کیا ہے۔ تب وہ اپنی قوم کی خرابی کو کمال فساد پر دیکھ کر نزول کے لئے بیقرار ہوا۔ اور اس کی رُوح سخت جنبش میں آئی۔ اور اس نے زمین پر اپنی ارادت کا ایک مظہر چاہا۔ تب خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کے موافق جو کیا گیا تھا مسیح کی روحانیت اور اس کے جوش کو ایک جو ہر قابل میں نازل کیا سو ان معنوں کر کے وہ آسمان سے اترا۔ اسی کے موافق جو ایلیا نبی یوحنا کے رنگ میں اترا تھا۔ مسلمان اگر اس قصہ کو جو انجیل میں موجود ہے۔ اور خود حضرت مسیح کے فیصلہ سے

تصفیہ یافتہ امر ہے۔ منظور نہ کریں۔ تو حدیث حدثوا عن بنی اسرائیل پر تو عمل کرنا چاہیئے۔ اور تکذیب کے تو کسی طرح مجاز نہیں۔ کیونکہ تکذیب سے ہر ایک مسلمان منع کیا گیا ہے۔ اور تصدیق کے لیے اور بھی بہت سے دلائل قرآن کریم سے ملتے ہیں۔ جن کا ہم اپنی دوسری تالیفات میں اور کچھ اس رسالہ میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔ اب میں ان باتوں کو طول دینا نہیں چاہتا صرف اپنی اس تقریر کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالے نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تا میں اس زمانہ کے اوہام دُور کروں اور ٹھوکر سے بچاؤں۔ اور اس نے مجھے توفیق عنایت کی ہے کہ اگر آپ حق کے طالب ہوں تو میں آپ کی تسلی کروں۔ سو اب میں خدا تعالے کو اس بات پر شاہد کرتا ہوں کہ میں نے آپ کو آپ کی غلطیوں کے رفع کرنے کے لئے بلایا۔ اگر اب بھی آپ خاموش رہے تو اللہ جل شانہ کی حجت آپ پر پوری ہو گی۔ اور آپ کے تمام گروہ کا گناہ آپ ہی کی گردن پر ہو گا۔

حضرت آپ کو اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ میں ہر ایک جان ہے۔ کہ آپ میرے اس نیاز نامہ کو لاپروائی سے ٹال نہ دیں اور سوچ سمجھ کر جواب شائع کریں۔

اس حاشیہ کے خاتمہ پر میں محض للہ ان تمام صاحبوں کو جو سید صاحب کی تالیفات پر فریفتہ ہو رہے ہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بات پر غور کریں۔ کہ آیا ایمان سے نجات ملتی ہے۔ یا فلسفہ سے۔

میں بار بار کہتا ہوں اور زور سے کہتا ہوں کہ اگر عقائد دینیہ فلسفہ کے رنگ پر اور ہندسہ اور حساب کی طرح عام طور پر بدیہی الثبوت ہوتے تو وہ ہرگز نجات کا ذریعہ نہ ٹھہر سکتے۔ بھائیو یقیناً سمجھو کہ نجات ایمان سے وابستہ ہے۔ اور ایمان امور مخفیہ سے البتہ

ہے۔ اگر حقائق اشیاء مستور نہ ہوتے تو ایمان نہ ہوتا اور اگر ایمان نہ ہوتا تو نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ ایمان ہی ہے جو رضاء الٰہی کا وسیلہ اور مراتب قرب کا زینہ اور گناہوں کا زنگ دھونے کے لیئے ایک چشمہ ہے۔ اور ہمیں جو خدا تعالےٰ کی طرف حاجت ہے۔ اس کا ثبوت ایمان ہی کے ذریعے سے ملتا ہے۔ کیونکہ ہم اپنی نجات کے لئے اور ہر ایک دُکھ سے راحت پانے کے لیئے خدا تعالےٰ کے محتاج ہیں۔ اور وہ نجات صرف ایمان سے ہی ملتی ہے۔ کیا دنیا کا عذاب اور کیا آخرت کا دونوں کا علاج ایمان ہے۔ جب ہم ایمان کی قوت سے ایک مشکل کا حل ہو جانا غیر ممکن نہیں دیکھتے تو وہ مشکل ہمارے لئے حل کی جاتی ہے۔ ہم ایمان ہی کی قوت سے خلافِ قیاس اور بعید از عقل مقاصد کو بھی پا لیتے ہیں۔ ایمان ہی کی قوت سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اور خوارق ظہور میں آتی ہیں۔ اور اَن ہونی باتیں ہو جاتی ہیں۔

پس ایمان ہی سے پتہ لگتا ہے۔ کہ خُدا ہے۔ خُدا فلسفیوں سے پوشیدہ رہا اور حکیموں کو اس کا کچھ پتہ نہ لگا مگر ایمان ایک عاجز دلق پوش کو خدا تعالےٰ سے ملا دیتا ہے۔ اور اس سے باتیں کرا دیتا ہے۔ مومن اور محبوبِ حقیقی میں قوت ایمانی دلالہ ہے۔ یہ قوت ایک مسکین ذلیل خوار مردود خلائق کو اس قصرِ مقدّس تک جو عرش اللہ ہے پہنچا دیتی ہے۔ اور تمام پردوں کو اٹھاتی اُٹھاتی دلارام ازلی کا چہرہ دکھا دیتی ہے۔ سو اٹھو ایمان کو ڈھونڈو اور فلسفہ کے خشک اور بے سود درختوں کو جلا دو کہ ایمان سے تم کو برکتیں ملیں گی۔ ایمان کا ایک ذرہ فلسفہ کے ہزار دفتر سے بہتر ہے۔ اور ایمان سے صرف آخری نجات نہیں بلکہ ایمان دنیا کے عذابوں اور لعنتوں سے بھی چھڑا دیتا ہے۔ اور روح کے تحلیل کرنے والے غموں سے ہم ایمان ہی کی برکت سے نجات پاتے ہیں۔ وہ چیز ایمان ہی ہے۔ جس سے مومن کامل سخت گھبراہٹ اور قلق اور کرب اور غموں کے طوفان کے وقت

اور اس وقت کہ جب ناکامی کے چاروں طرف سے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور اسباب
عادیہ کے تمام دروازے منقفل اور مسدود نظر آتے ہیں مطمئن اور خوش ہوتا ہے۔ ایمان
کامل سے سارے استبعاد جاتے رہتے ہیں۔ اور ایمان کو اور کوئی چیز ایسا نقصان نہیں
پہنچاتی جیسا کہ استبعاد اور کوئی ایسی دولت نہیں جیسا کہ ایمان دنیا میں ہر ایک ماتم زدہ
ہے۔ مگر ایماندار دنیا میں ہر ایک سوزش اور حرقت اور جلن میں گرفتار ہے۔ مگر
مومن اے ایمان کیا ہی تیرے ثمرات شیریں ہیں۔ کیا ہی تیرے پھول خوشبودار ہیں
سبحان اللہ کیا عجیب تجھ میں برکتیں ہیں۔ کیا ہی خوش نور تجھ میں چمک ہے۔ کوئی
تہ یا تک پہنچ نہیں سکتا۔ مگر وہی جس میں تیری کشش ہے۔ خدا تعالیٰ کرے کہ یہی پسند آیا
کہ اب نور آوے اور فلسفہ جاوے۔ ولا رادّ لفضلہ۔ منہ

---

ص۴۲ باقی صفحہ نمبر۱) سے آگے کام کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اور اس کیلئے علی گڑھ میں کالج اور یونیورسٹی قائم
کرکے انتظام بھی کر دیا۔ بہر حال مسلمانوں کی دنیاوی حالت کو درست کرنے اور انکو پستی سے نکالنے کیلئے جو کچھ وہ
عملی طور پر کر سکتے تھے انہوں نے کیا لیکن دوسری طرف جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا نوجوان طبقہ مغربی فلسفہ سے
متاثر ہو کر اسلامی عقائد سے بیزار ہو رہا ہے تو انہوں نے غلطی سے اسلامی عقائد کو مغربی فلسفہ کے رنگ میں ڈھالنا
شروع کر دیا تا مسلمانوں کا نوجوان طبقہ یہ خیال کرکے کہ اسلامی عقائد کو مغربی فلسفہ سے ہم آہنگی حاصل ہے اسلام پر قائم رہے
گو ان کا یہ قائم رہنا درحقیقت اسلام پر قائم رہنا نہ تھا۔ بلکہ مغربی فلسفہ کی غلامی تھی۔ لیکن بہر حال نام تو اسلام کا ہی تھا اور
اسی نام پر ہی سر سید صاحب نے کفایت کو غنیمت سمجھا لیکن ان کے برخلاف سیدنا حضرت مسیح موعودؑ چونکہ خدا کے مامور تھے
اور اسی غرض کے لئے ان کی بعثت ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندر صحیح اسلامی روح پیدا کریں۔ اور ان کو
اصلی اسلام پر قائم کریں۔ اس لئے حضورؑ نے سر سید کی مذہبی غلطیوں کو آشکارہ کرنا ضروری خیال کرتے ہوئے
مندرجہ ذیل مقالہ تحریر فرمایا۔ اور اس میں سر سید کی غلطیوں کو واشگاف کیا۔ اور چونکہ اس وقت بھی مسلمان ان
غلطیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی مندرجہ ذیل تحریر کو شائع کرنا مناسب سمجھا
تا مسلمان اپنے عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے اصلی اسلام پر قائم ہو جائیں۔